جناب ڈاکٹر عبدالغنی صاحب

قرآن کا نظریۂ کائنات

(۲)

منصوبۂ تخلیق | حیات و کائنات کے وجود کا تجسس کرتے ہوئے ہر صاحب علم کو یہ جاننے کی کوشش کرنی چاہیئے کہ زمین سے آسمان تک فطرت کے عظیم الشان نظام کا منصوبۂ تخلیق کیا ہے!

اس اہم ترین سوال کا بہترین جواب وہی ہے جو خود خدا کے لفظوں میں قرآن مجید نے دیا ہے اس سلسلے میں حسب ذیل آیات پر اچھی طرح غور کیا جانا چاہیئے۔

"یہ آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی چیزیں ہم نے کھیل کے طور پر نہیں بنا دی ہیں۔ ان کو ہم نے برحق پیدا کیا ہے، مگر ان میں سے اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں" (الدخان ۳۹-۳۸)

"نہایت بزرگ و برتر ہے وہ جس کے ہاتھ میں کائنات کی سلطنت ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے، جس نے موت اور زندگی کو ایجاد کیا تا کہ تم لوگوں کو آزما کر دیکھے تم میں سے کون بہتر عمل کرنے والا ہے، اور وہ زبردست بھی ہے اور درگزر فرمانے والا بھی" (الملک ۱-۲)

"اللہ نے تو آسمانوں اور زمین کو برحق پیدا کیا ہے کہ ہر متنفس کو اس کی کمائی کا بدلہ دیا جائے۔ لوگوں پر ظلم ہرگز نہ کیا جائے گا" (الجاثیہ ۲۲)

"یہ لوگ کہتے ہیں کہ زندگی بس یہی ہماری دنیا کی زندگی ہے، یہیں ہمیں مرنا اور جینا ہے اور گردش ایام کے سوا کوئی چیز نہیں جو ہمیں ہلاک کرتی ہو۔ درحقیقت اس معاملے میں ان کے پاس کوئی علم نہیں ہے، یہ محض گمان کی بنا پر یہ باتیں کرتے ہیں" (الجاثیہ ۲۴)

"لوگو! بندگی اختیار کرو اپنے اس رب کی جو تمہارا اور تم سے پہلے جو لوگ گزرے ہیں ان سب کا خالق ہے، تمہارے بچنے کی توقع اسی صورت سے ہو سکتی ہے" (البقرہ - ۲۱)

"پس یکسو ہو کر اپنا رخ اس دین کی سمت میں جما دو، قائم ہو جاؤ اس فطرت پر جس پر اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پیدا کیا ہے، اللہ کی بنائی ہوئی ساخت بدلی نہیں جا سکتی، یہی بالکل راست اور درست ہے، مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں" (الروم ۳۰)

"ہم نے اس آسمان اور زمین کو اور اس دنیا کو جو ان کے درمیان ہے فضول پیدا نہیں کیا ہے" (ص ۲۷)

"پھر ذرا اس وقت کا تصور کرو جب تمہارے رب نے فرشتوں سے کہا تھا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں"، انہوں نے عرض کیا! "کیا آپ زمین میں کسی ایسے کو مقرر کرنے والے ہیں جو اس کے انتظام کو بگاڑ دے گا اور خونریزیاں کرے گا؟ آپ کی حمد و ثنا کے ساتھ تسبیح اور آپ کی تقدیس تو ہم کر رہے ہیں" فرمایا: "میں

جانتا ہوں جو کچھ تم نہیں جانتے" اس کے بعد اللہ نے آدم کو ساری چیزوں کے نام سکھائے پھر انہیں فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور فرمایا: "اگر تمہارا خیال صحیح ہے کہ کسی خلیفہ کے تقرر سے انتظام بگڑ جائے گا تو ذرا ان چیزوں کے نام بتاؤ" انہوں نے عرض کیا: "نقص سے پاک تو آپ ہی کی ذات ہے، ہم تو بس اتنا ہی علم رکھتے ہیں جتنا آپ نے ہم کو دے دیا ہے۔ حقیقت میں سب کچھ جاننے اور سمجھنے والا آپ کے سوا کوئی نہیں" پھر اللہ نے آدم سے کہا:

"تم انہیں ان چیزوں کے نام بتاؤ" جب اس نے ان کو ان سب کے نام بتا دیے تو اللہ نے فرمایا: "میں نے تم سے کہا نہ تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کی وہ ساری حقیقتیں جانتا ہوں جو تم سے مخفی ہیں، جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو وہ بھی مجھے معلوم ہے اور جو کچھ تم چھپاتے ہو اسے بھی میں جانتا ہوں" پھر جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کے آگے جھک جاؤ تو سب جھک گئے، مگر ابلیس نے انکار کیا۔ وہ اپنی بڑائی کے گھمنڈ میں پڑ گیا اور نافرمانوں میں شامل ہو گیا (البقرہ ۳۰ تا ۳۴)

"خلق اور امر دونوں اسی کے ہیں" (الاعراف ۵۴)

"ہم نے اس امانت کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کیا تو وہ اسے اٹھانے کے لیے تیار نہ ہوئے اور اس سے ڈر گئے، مگر انسان نے اسے اٹھا لیا" (الاحزاب ۷۲)

ان آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حیات و کائنات کی تخلیق ایک منصوبے کے تحت، ایک مقصد کے لیے ہوئی ہے۔ وہ یہ ہے کہ خدا کی بندگی کرتے ہوئے انسان اپنی زندگی میں روئے زمین پر نیابتِ الٰہی کی امانت کا حق ادا کرے اور اس مقصد کے لیے جہاں ہر ہر فرد بہترین شعور و کردار کا ثبوت دے وہیں پوری نوعِ انسانی ہر سطح پر ہمہ جہت ترقی کرے، تاکہ عالم وجود کا ارتقاء اس حد تک پہنچ جائے جو خدا نے مخلوقات کی ہستی کے لیے مقرر کر دی ہے یہ فروغ ہستی عروج انسانیت بھی ہے۔ اسلام کی روایات میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہونے والی روحانی و جسمانی معراج، جس کا بیان قرآن کی سورہ بنی اسرائیل اور سورہ نجم میں ہوا ہے، ایک مربوط و متوازن ارتقائے وجود کی وہ انتہا ہے جس کے آگے انسان کا تصور نہیں جا سکتا۔

پھر خدا نے خلق اور امر دونوں کی نسبت اپنی طرف کی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے دنیا بنا کر چھوڑ نہیں دی ہے بلکہ جیسا کہ قرآن کی متعدد آیتوں سے واضح ہوتا ہے تخلیق کائنات کے بعد بھی خالق کائنات کلی و عمومی آفاقی اقتدار کے عرش پر بیٹھا ہوا کارخانۂ ہستی کا سارا انتظام چلا رہا ہے۔ ازل سے وجود کی تقدیر اس نے بنائی ہے اور ابد تک وجود کے تمام امکانات کو روبہ عمل لانے کی تدبیر بھی وہی کرتا رہے گا۔ وہ حیات و کائنات کی تمام شکلوں کا پروردگار (رب) ہے اور اس کی ربوبیت کا تقاضا ہے کہ وہ تمام دائروں میں رونما ہونے والی زندگی کی ہدایت بھی

کرتا ہے:

"ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی ساخت بخشی، پھر اس کو راہ بتائی۔" (طٰہٰ: ۵۰)

اس خیال انگیز آیت کی تشریح کرتے ہوئے مولانا مودودیؒ کہتے ہیں:

"یعنی دنیا کی ہر شے جیسی کچھ بھی بنی ہوئی ہے اسی کے بنانے سے بنی ہے۔ پھر ایسا نہیں کیا کہ ہر چیز کو اس کی مخصوص بناوٹ دے کر یونہی چھوڑ دیا ہو، بلکہ اس کے بعد وہی ان سب چیزوں کی رہنمائی بھی کرتا ہے۔ دنیا کی کوئی چیز ایسی نہیں ہے جسے اپنی ساخت سے کام لینے اور اپنے مقصد تخلیق کو پورا کرنے کا طریقہ اس نے نہ سکھایا ہو۔ کان کو سننا اور آنکھ کو دیکھنا، مچھلی کو تیرنا اور چڑیا کو اڑنا اسی نے سکھایا ہے۔ وہ ہر چیز کا صرف خالق ہی نہیں، ہادی اور معلم بھی ہے۔"

مخلوقات کے اتنے زبردست ہمہ گیر اور مؤثر انتظام کے بعد سب کو اشرف المخلوقات کے لیے مسخر کر دیا گیا تا کہ وہ سطح وجود بار روئے ارض پر خدا کے کائنات کی نیابت کرتے ہوئے اپنی زندگی کا امتحان اپنی تمام قوتوں کے ساتھ دے اور خالق کے حضور میں سرخ رو ہو کر آخرت کی حیاتِ ابدی کا سامان کرے۔ یہ امتحان میں کامیابی کا انعام ہوگا، جبکہ ناکامی کی سزا مکمل تباہی ہے۔

سائنس اور قرآن کے نظریات کا موازنہ

حیات و کائنات کی زندگی و ترقی کے متعلق سائنس اور کائنات کا جو مختصر بیان عمومی طور پر گزشتہ سطور میں کیا گیا ہے ان کا ایک تقابلی مطالعہ کرنے سے اولین حقیقت یہ واضح ہوتی ہے کہ سائنس اپنی محدود اور ناقص معلومات کی وجہ سے کوئی بات یقینی طور پر صاف صاف نہیں کہہ سکتی، جب کہ قرآن خدا کے بے پایاں اور کامل علم کی بنا پر ہر چیز بالکل قطعی طور پر صراحت کے ساتھ پیش کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سائنس کے بیانات سے وہ اعتماد نہیں پیدا ہوتا جو مثبت اور مؤثر عمل کا سرچشمہ بنے۔ اس کے برخلاف قرآن کے ارشادات یقین و اعتماد کی کیفیت پیدا کرتے اور بہترین عمل کی تحریک کر سکتے ہیں۔ یہ فرق نہایت اہم ہے۔ انسان کی زندگی بے عمل فکر کی بنیاد پر نہ آگے بڑھ سکتی ہے نہ باقی رہ سکتی ہے۔ لہٰذا انسانیت کی بقا و ترقی کا تقاضا ہے کہ اس فکر کو اختیار کیا جائے جو نتیجہ خیز ہو، محض خرد کے بدلتے ہوئے نظریات کا کھیل نہ ہو، زندگی کا ایک مستقل تصور ہو جو ایک مقصد حیات سے عشق اور اس کے لیے عمل کا جذبہ پیدا کرے۔

ارتقاء کی گفتگو کرنے کے باوجود سائنس دانوں کے خیالات میں جمود کا ایک عنصر ہے اور وہ ان کی خدا بے زاری کا پیدا کیا ہوا ہے، جو صریحاً بے عقلی کی ایک بے بنیاد بات ہے۔ اس کے برخلاف قرآن کے اشارات سے معلوم ہوتا ہے کہ ہم ایک متحرک کائنات میں سانس لے رہے ہیں جو ہمہ دم حرکت کر رہی ہے۔ "کن فیکون" کی صورت

میں خدا کی قدرت اور مشیت کا عمل مسلسل جاری ہے۔ خدا اوّل تو "بدیع السماوات والارض" (الانعام: ۱۰۱) یعنی آسمان و زمین کا موجد ہے، دوسرے وہ تخلیق کی ابتدا کے ساتھ اس کا اعادہ کرنے والا بھی ہے مزید ارشاد ہے:

"اور کیا ان لوگوں کو یہ سجھائی نہیں دیتا کہ جس خدا نے یہ زمین و آسمان پیدا کیے اور ان کو بناتے ہوئے وہ نہ تھکا، وہ ضرور اس بات پر قادر ہے کہ مردوں کو جلا اٹھائے؟ کیونکہ نہیں یقیناً وہ ہر چیز کی قدرت رکھتا ہے۔" (الاحقاف ۳۳)

واقعہ یہ ہے کہ زندگی کے بعد زندگی اور دنیا کے بعد آخرت کا تصور قرآن و اسلام کے نظریۂ حیات و کائنات کے انتہائی متحرک ہونے کا سب سے بڑا ثبوت ہے، جبکہ دنیا کی زندگی تک محدود سائنس دانوں کے افکار کی دہریت ان کے جمود فکر کی دلیل ہے۔

سائنس کے نظریہ حیات و کائنات میں ربط و تسلسل کی بھی سخت کمی ہے۔ ارتقاء کی گم شدہ کڑیاں بھی انہیں معلوم نہیں۔ یعنی ایک ایسا میکانکی و حیوانی ارتقاء ہے جس میں رخنے ہی رخنے ہیں، جن کو بھرنے کے لیے صرف مفروضے HYPOTHESIS قائم کر لیے گئے ہیں اور ان پر اصول موضوعہ POSTULATES کی طرح یقین کیا جاتا ہے۔ اس کے برخلاف قرآنی نظریہ بالکل مربوط و مسلسل ہے اور مفروضوں کے بجائے قطعی بیانات پر مشتمل ہے۔ بلاشبہ ان بیانات کو عقاید DOGMAS کا اظہار کہا جا سکتا ہے، لیکن یہ ایک فطری و منطقی صورت حال ہے۔ اس لیے کہ غیب کے متعلق مشاہدے اور تجربے کی بات نہیں کی جا سکتی، لامحالہ ایمانیات کی بات ہی کی جائے گی۔ یہ بھی اگرچہ اصول موضوعہ ہیں مگر یہ انسانی گمان و قیاس پر مبنی اور مشتبہ اس لیے نہیں کہ یہ وحی کے خدائی الفاظ ہیں جن کی صداقت کی تردید کسی واضح دلیل سے نہیں کی جا سکتی۔

سائنس حیات کی ابتدا اور ایک مدت تک اس کے ارتقاء کو ایک خود کار AL-HANIME عمل مانتی ہے اور انسان کے اندر شعور کے آغاز سے پہلے حیوانی ادوار زندگی فرض کرتی ہے۔ اس کے برخلاف قرآن کا نظریہ ہے کہ ایک علیم و خبیر ہستی نے پوری حکمت کے ساتھ کائنات اور اس کی موجودات کی تخلیق کے ساتھ ساتھ حیات کو درجہ بدرجہ ترقی دی، اس کے مختلف مرحلے اور دائرے متعین کیے، یہاں تک کہ مٹی کے پتلے میں روح پھونکنے کے فوراً بعد اسے علم و شعور کی دولت سے اس حد تک مالامال کر دیا کہ وہ مخلوقات میں سب سے افضل بن گیا اور فرشتے بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکے تو بحکم خداوندی اس کے آگے جھک گئے، چنانچہ خدا نے روئے زمین پر انسان کو اپنا نائب بنا کر کائنات کی تمام اشیاء کو اس کی خدمت اور اس کے استعمال کے لیے مسخر کر دیا۔ یہ جذباتی تصورات نہیں ہیں، دانشمندانہ افکار ہیں، عملی مشاہدات ہیں، جن کی بنا پر اور جن کی بدولت ہی دنیا میں انسان کی زندگی کا کوئی مصرف و مقصد، مدعا و نصب العین نظر آتا ہے، اس کی سنجیدگی اور ذمے داری واضح ہوتی ہے اور اس کی افادیت و اہمیت کا پتا

چلتا ہے۔

اس کے باوجود قرآن سائنس کی کتاب نہیں ہے، یہ تو زندگی کا ہدایت نامہ ہے۔ لہذا قرآن سائنس کی طرح فارمولے نہیں پیش کرتا، نہ حیات و کائنات کے ارتقاء کے مراحل سے بحث کرتا ہے ـــــ اس کے بجائے وحی الہی صرف ان بنیادی امور پر روشنی ڈالتی ہے جن کا تعلق زندگی اور اس کے معاملات سے ہے۔ چنانچہ حیات و کائنات کی تخلیق و تشکیل اور توسیع و ترقی کے متعلق نازل ہونے والی آیاتِ قرآنی کا مطلب و مقصد یہ ہے کہ انسان اپنے ماحول کے حقائق کو ٹھیک ٹھیک سمجھ لے اور اس سلسلے میں اس کا ذہن صحیح طور پر کام کرے، تاکہ دنیا میں انسان کا کردار درست رہے، وہ راہِ راست پہ چلے اور منزلِ مقصود کی طرف بڑھے۔ اسی لیے حیات و کائنات کے حقائق کی تفصیل میں جانے کے بجائے قرآن نے ان کی طرف اشارے کرنا کافی سمجھا ہے۔ کہنا چاہیئے کہ قرآن نے ان سوالات کے جواب دے کر ان مسائل کے حل کی شاہ کلید اہلِ ایمان کے حوالے کردی ہے جن میں اہل علم زمانۂ دراز سے الجھے ہوئے ہیں ـــــ اب یہ صاحب ایمان سائنس دانوں کا کام ہے کہ وہ قرآنی اشارات کی روشنی میں لادین سائنس دانوں کے دہریت پسندانہ نظریات کی تردید اور قرآن کے پیش کیے ہوئے ایمان افروز تصورات کی تشریح و توضیح کریں۔

صحیح علمی رویہ

علم انسان کے وجود کا سب سے بڑا سرمایہ ہے، جب کہ علم کے موضوعات بنیادی طور پر دو ذریعوں سے ملتے ہیں: ایک وہ جو مشاہدے اور تجربے سے حاصل ہوتے ہیں، دوسرے وہ جن کا انکشاف وحی کے ذریعہ ہوتا ہے ـــــ یہ آخری علم غیب کی باتوں سے تعلق رکھتا ہے۔ اس سے حیات و کائنات کا آغاز و انجام معلوم ہوتا ہے۔ ابتدا و انتہا کے متعلق جو سوالات انسان کے ذہن میں آتے ہیں، مثلاً:

۱۔ ہستی کا سفر کب اور کیسے شروع ہوا؟

۲۔ اس سفر کی منزل کیا ہے؟

ان سوالوں کے جواب دینے سے انسان کا ذہن قاصر ہے دوسرے سوال سے تو سائنس بحث ہی نہیں کرتی، پہلے سوال پر جو کچھ تفتیش اور جستجو اب تک اس نے کی ہے اس کا کوئی حاصل نہیں نکلا، اس لیے کہ اس سوال کا تعلق غیب سے ہے اور غیب کا علم سوائے خدا کے کسی کو نہیں ہے۔ انسان کو اتنا ہی معلوم ہے جتنا خدا نے بتا دیا ہے۔ لہذا یہ معاملہ اصلاً ایمان کا ہے جس پر انحصار کر کے ہی کوئی علمی کاوش نتیجہ خیز ہو سکتی ہے۔ قرآن نے اس سلسلے میں صحیح علمی رویّے کی نشان دہی خود ہی کر دی ہے:

"اس کتاب میں دو طرح کی آیات ہیں: ایک محکمات جو کتاب کی اصل بنیاد ہیں اور دوسری متشابہات۔ جن لوگوں کے دلوں میں ٹیڑھ ہے وہ فتنے کی تلاش میں ہمیشہ متشابہات ہی کے پیچھے پڑے رہتے ہیں اور ان کو معنی پہنانے

کی کوشش کیا کرتے ہیں، حالانکہ ان کا حقیقی مفہوم اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، بخلاف اس کے جو لوگ علم میں پختہ کار ہیں وہ کہتے ہیں کہ "ہمارا ان پر ایمان ہے، یہ سب ہمارے رب ہی کی طرف سے ہیں" اور سچ یہ ہے کہ کسی چیز سے صحیح سبق صرف دانش مند لوگ ہی حاصل کرتے ہیں" (آل عمران ۷)

حیات و کائنات کی ابتدا کا تعلق متشابہات سے ہے۔ اپنی جگہ یہ موضوع بہت مبہم ہے اور اس میں مختلف متضاد نظریات کے امکان ہیں جن کے سبب انتشار فکر پیدا ہوتا ہے اور تعین کے ساتھ کچھ معلوم نہیں ہو سکتا کہ حقیقت کیا ہے۔ لہذا انسان اپنی عقل سے قیاس پر قیاس کرتا چلا جاتا ہے اور اس کے نظریات بدلتے رہتے ہیں۔ اس ذہنی پراگندگی کا اثر عملاً انسان کی زندگی پر پڑتا ہے اور اس کے شعور و کردار دونوں میں کجی پیدا ہو جاتی ہے، بسا اوقات وہ الحاد کی طرف مائل ہو جاتا ہے اور ایک نامراد زندگی گزارتا ہے۔ یہ سب ذہنی عدم توازن کے سبب ہوتا ہے۔ قرآن کی رہنمائی بگڑے ہوئے توازن کو درست بھی کرتی ہے اور ذہن کو متوازن بھی رکھ سکتی ہے:

"آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا انسان کو پیدا کرنے کی بہ نسبت یقیناً زیادہ بڑا کام ہے مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں" (المومن ۵۷)

اس آیت سے انسان کے ذہن کی حد معلوم ہوتی ہے۔ زمین و آسمان کی وسعت کے مقابلے میں آدمی کی قوتوں کا پیمانہ مختصر ہے۔ لہذا اگر وہ عقل سلیم سے کام لے تو اپنے محدود علم پر ناز کرنے کے بجائے ان باتوں کا علم جن کا سمجھنا اس کے لیے محال ہے خدا سے طلب کرے اور اس کی التجا اور دعا ہو:

رَّبِّ زِدْنِي عِلْمًا (طٰہٰ۔ ۱۱۴) "اے پروردگار مجھے مزید علم عطا کر"

یہ درحقیقت اس حکمت کی طلب ہوگی جسے قرآن مجید نے "خیر کثیر" قرار دیا ہے۔

"جس کو چاہتا ہے حکمت عطا کرتا ہے اور جس کو حکمت ملی اُسے حقیقت میں بڑی دولت مل گئی" (البقرہ۔ ۲۶۹)

علم و حکمت کی جستجو قرآن حکیم کا ایک اہم موضوع ہے اور اللہ کی کتاب نے بار بار انسان کو فطرت کے تمام داخلی و خارجی مظاہر پر غور و فکر کرنے کی دعوت دی ہے۔ ان مظاہر کو خدا نے اپنی قدرت کی نشانیوں سے تعبیر کیا ہے اور ان کا نام آیات رکھا ہے۔ کائنات میں ہر طرف خدا کی آیات پھیلی ہوئی ہیں اور پیہم ان آیات کا ظہور ہوتا رہتا ہے۔ لہذا دیدہ و دل کا تقاضا ہے کہ ہدایت الہٰی کے تحت ان آیات پر تدبر کر کے ایسی تدبیروں سے کام لیا جائے جو حق و صداقت کو واضح کر دیں۔ آدمی کو جو قوتیں فطری طور پر دی گئی ہیں ان کا صحیح مصرف یہی ہے۔

"عنقریب ہم ان کو اپنی نشانیاں آفاق میں بھی دکھائیں گے اور ان کے اپنے نفس میں بھی، یہاں تک کہ ان پر یہ بات کھل جائے گی کہ یہ فرمان واقعی برحق ہے۔ کیا یہ بات کافی نہیں ہے کہ تیرا رب ہر چیز کا شاہد ہے" (حٰم السجدہ ۵۳)

اس آیت کی صداقت جس طرح پچھلی چودہ صدیوں میں ثابت ہوئی ہے آئندہ بھی ہوتی چلی جائے گی اور مسلسل ہو رہی ہے۔ اس مقالے کی ابتدا میں کائنات کے وجود کے متعلق جو آیت پیش کی گئی ہے اس کی تصدیق سائنس کے تازہ ترین نظریے سے بھی ہوتی ہے، لیکن جس حقیقت کی طرف قرآن نے ڈیڑھ ہزار سال قبل اشارہ کر دیا تھا اس تک پہنچنے میں سائنس کو اتنے ہی سال لگے۔ لہذا اگر حیات و کائنات کے متعلق قرآن کے اشارات پر ایمان رکھ کر علم و حکمت کی جستجو کی جائے تو انسان کی راہِ طلب آسان ہو سکتی ہے۔ اور ہر قسم کی ترقیات کی منزل مقصود قریب آسکتی ہے۔

ایسی ترقیات، جن کا تعلق انسان کی فلاح اور انسانیت کی تعمیر سے ہے۔

(بقیہ صـ۱۸ سے)

تھی جیسا کہ اس تہذیب اور اس کی تاریخ کے ایک بڑے واقف کار (ڈاکٹر علامہ محمد اقبال) کا کہنا ہے۔

کہ روح اس مدنیت کی رہ سکی نہ عفیف

تمدنی سہولتوں اور نئی مصنوعات کی ایجادات اور سائنس کی معلومات اور اسلامی تہذیب کے جلال و جمال سادگی و حقیقت پسندی، طہارت و نظافت پر توجہ اسراف و فضول خرچی اور خارجی مظاہر اور نمائش سے پرہیز کا باہمی اتفاق و اجتماع اس وقت بہت آسان ہے، جب اسلامی حکومتوں اور معاشروں کو مستقل غیر تقلید و غیر عاجلانہ اور احساس کمتری سے دور رہتے ہوئے تمدنی منصوبہ بندی کی توفیق ہو اور ان میں ذہانت کی چمک اور اسلامی تعلیمات اور اسلامی تہذیب کے اثر سے ایمان و انفرادیت موجود ہو، جس کی وہ مرہون منت ہیں اور اس کے ساتھ ان میں اپنے اسلامی تشخص و امتیاز پر فخر کا جذبہ بھی کارفرما ہو۔

سلسلۂ مطبوعات موتمر المصنفین (۳۸)
میری علمی اور مطالعاتی زندگی
ترتیب
مولانا عبدالقیوم حقانی
موتمر المصنفین
دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک، ضلع نوشہرہ (پاکستان)